Allama Iqbal Open University AIOU BS Islamic Studies solved assignments no 1 Autumn 2025 Code 1921 Philosophy & Ilm-ul-Kalam

سوال نمبر *1:* فلسفے کا بنیادی محرک کیا ہے؟ نیز فلسفے میں مظہر اور حقیقت کے مابین تفریق کے مسئلے پر روشنی ڈالیے۔

فلسفے کا بنیادی محرک *(The Basic Impulse of Philosophy)*

تعارف

فلسفہ انسانی فکر کا وہ اعلیٰ ترین مظہر ہے جو انسان کے اندر موجود **جستجو، حیرت اور حقیقت شناسی** کے جذبے سے پیدا ہوتا ہے۔ جب انسان نے کائنات، زندگی، اور اپنے وجود کے بارے میں سوالات اٹھانے شروع کیے تو یہی سوالات فلسفے کے ظہور کا سبب بنے۔

لہٰذا فلسفے کا بنیادی محرک کوئی مادی یا جسمانی ضرورت نہیں بلکہ **عقلی و فکری تجسس *(Intellectual Curiosity)*** ہے — یعنی وہ خواہش جو انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ:

"میں کون ہوں؟ دنیا کیا ہے؟ اور یہ سب کیوں موجود ہے؟"

---

1. فلسفے کے بنیادی محرک کی وضاحت

الف) حیرت *(Wonder)*

یونانی فلسفی **ارسطو *(Aristotle)*** نے کہا تھا:

"Philosophy begins in wonder."

یعنی فلسفہ حیرت سے شروع ہوتا ہے۔

انسان جب کائنات کے عجائبات — سورج، چاند، موسم، زندگی، موت، محبت، اور قدرت کے نظام — کو دیکھتا ہے تو اس کے ذہن میں فطری طور پر سوالات جنم لیتے ہیں۔

یہی حیرت اسے غور و فکر کی طرف لے جاتی ہے اور وہ مظاہر کے پسِ پشت چھپی ہوئی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

ب) حقیقت کی تلاش *(Search for Reality)*

انسان کا ایک فطری رجحان یہ ہے کہ وہ ظاہری پردے کے پیچھے چھپی حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے۔

مثلاً:

- وہ صرف بارش کو دیکھ کر مطمئن نہیں ہوتا بلکہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ **بادل کہاں سے آتے ہیں؟**

- وہ زندگی کو محسوس کرتا ہے مگر یہ بھی جاننا چاہتا ہے کہ **زندگی کی اصل کیا ہے؟**

یہی رجحان فلسفیانہ جستجو کو جنم دیتا ہے۔

ج) علم کا اتحاد *(Unity of Knowledge)*

فلسفہ علم کے تمام شعبوں کو ایک وحدت میں دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک سائنس دان کسی خاص مظہر کا مطالعہ کرتا ہے، لیکن فلسفی یہ سوال

اٹھاتا ہے کہ **کیا تمام علوم کسی ایک حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں؟**

اس طرح فلسفہ جزوی علم کو کلی مفہوم میں بدل دیتا ہے۔

د) اخلاقی و روحانی جستجو *(Moral and Spiritual Quest)*

فلسفے کا ایک اہم محرک **اخلاقی و روحانی اضطراب** بھی ہے۔

انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ:

- نیکی کیا ہے؟
- بدی کیوں وجود رکھتی ہے؟
- انصاف اور صداقت کے معیارات کیا ہیں؟

یہ سوالات فلسفے کو مذہب اور اخلاقیات کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔

نتیجہ:

یوں فلسفے کا بنیادی محرک حیرت، جستجو، اور حقیقت تک رسائی کی خواہش ہے۔ فلسفہ انسان کو ظاہری دنیا سے آگے دیکھنے، سوچنے اور سچائی تک پہنچنے کی راہ دکھاتا ہے۔

---

2. مظہر اور حقیقت کا مفہوم *(Appearance and Reality)*

الف) مظہر *(Appearance)*

مظہر سے مراد وہ چیز ہے جو **ظاہری طور پر نظر آتی ہے یا محسوس کی جاتی ہے۔**

یعنی کسی شے کی وہ صورت جو حواسِ خمسہ (آنکھ، کان، ناک، زبان، ہاتھ) کے ذریعے ہمیں دکھائی دیتی ہے۔

مثلاً:

- سورج ہمیں حرکت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے، مگر حقیقت میں زمین گردش کر رہی ہوتی ہے۔

- پانی میں ڈوبا ہوا ڈنڈا ٹوٹا ہوا دکھائی دیتا ہے، مگر حقیقتاً وہ سیدھا ہوتا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مظاہر *(Appearances)* اکثر **دھوکہ دہی یا ظاہری فریب** بھی ہو سکتے ہیں۔

ب) حقیقت *(Reality)*

حقیقت وہ ہے جو مظاہر کے پسِ پردہ موجود ہو اور **عقلی یا تجرباتی طور پر ثابت ہو سکے۔**

یہ وہ اصل ہے جو وقت، احساس یا تغیر سے متاثر نہیں ہوتی۔

یعنی حقیقت ہمیشہ **پائیدار، قائم اور غیر متغیر** ہوتی ہے۔

---

3. فلسفے میں مظہر اور حقیقت کی تفریق

فلسفے کی تاریخ میں "مظہر اور حقیقت" کا فرق سب سے بنیادی سوالات میں سے ایک ہے۔ مختلف فلسفیوں نے اس کی مختلف توجیہات پیش کیں۔

الف) سقراط *(Socrates)* کا نظریہ

سقراط کے نزدیک انسان کو ظاہری مظاہر سے آگے بڑھ کر **باطنی حقیقت** تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس کا ماننا تھا کہ مظاہر دھوکہ دے سکتے ہیں، لیکن **عقل** سچائی کو پہچان سکتی ہے۔

مثلاً خوبصورتی، عدل، اور نیکی ظاہری چیزیں نہیں بلکہ **حقیقی قدریں *(Real Values)*** ہیں۔

ب) افلاطون *(Plato)* کا نظریۂ مُثُل *(Theory of Ideas)*

افلاطون کے نزدیک مظاہر صرف **ظلال *(Shadows)*** ہیں جو حقیقی دنیا کی عکاسی کرتے ہیں۔

اس کے مطابق:

- یہ دنیا *"مُثُل" (Ideas or Forms)* کی دنیا کا عکس ہے۔
- مظاہر بدلتے رہتے ہیں، مگر حقیقت ازلی اور ابدی ہے۔

- مثال کے طور پر دنیا میں مختلف میزیں ہیں، لیکن ان سب کی اصل "میز کی مثالی صورت" ہے جو مظاہر کی حقیقت ہے۔

ج) ارسطو *(Aristotle)* کا نظریہ

ارسطو نے مظہر اور حقیقت کے درمیان **توازن** قائم کیا۔

اس نے کہا کہ مظاہر حقیقت کا حصہ ہیں، اور حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں **تجربہ اور مشاہدہ** دونوں کا سہارا لینا چاہیے۔

یعنی حقیقت مظاہر میں چھپی ہوئی ہے، علیحدہ نہیں۔

د) رینی ڈیکارٹ *(René Descartes)*

ڈیکارٹ کے مطابق مظاہر اکثر گمراہ کن ہوتے ہیں، اس لیے سچائی کو پہچاننے کے لیے شک کی ضرورت ہے۔

اس نے کہا:

"I think, therefore I am."

یعنی سوچنا حقیقت کی علامت ہے، جب کہ مظاہر فریب ہو سکتے ہیں۔

ہ) ہیگل *(Hegel)*

ہیگل نے کہا کہ مظہر اور حقیقت دو علیحدہ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔

مظہر حقیقت کی ظاہری صورت ہے، اور عقل ان دونوں کو وحدت میں دیکھ سکتی ہے۔

و) جدید سائنسی نقطۂ نظر

سائنس کے نزدیک بھی مظاہر تجرباتی مشاہدے کے نتائج ہیں، جب کہ حقیقت وہ اصول یا قوانین ہیں جو ان مظاہر کے پیچھے کارفرما ہیں۔

مثلاً:

- مظہر: سورج مغرب سے ڈوبتا ہے۔

- حقیقت: زمین اپنی محور پر گھومتی ہے، اسی لیے سورج کے غروب ہونے کا مظہر پیدا ہوتا ہے۔

4. اسلامی فلسفہ میں مظہر اور حقیقت کا تصور

اسلامی مفکرین نے اس مسئلے کو **الٰہی، روحانی اور عقلی بنیادوں** پر سمجھنے کی کوشش کی۔

الف) امام غزالیؒ

امام غزالی کے نزدیک مظاہر اکثر فریب ہیں، اور حقیقی علم صرف **اللہ کے نور** سے حاصل ہوتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ دنیا کی ظاہری حقیقت فانی ہے، جب کہ **باطنی حقیقت ابدی اور روحانی** ہے۔

مثلاً مال و دولت مظاہر ہیں، جب کہ ایمان و تقویٰ حقیقی حقیقت ہے۔

ب) ابنِ سینا

ابنِ سینا نے فلسفے اور سائنس کو ملا کر کہا کہ مظاہر مادی اشیاء کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، لیکن ان کے پیچھے **عقلی حقیقت *(Intellectual Reality)*** موجود ہے جو عقلِ کلی سے وابستہ ہے۔

ج) ملا صدرا

ملا صدرا نے *"حرکتِ جوہری" (Substantial Motion)* کا نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق کائنات مسلسل حرکت میں ہے اور مظاہر حقیقت کی **تبدیلی کے مراحل** ہیں۔

یعنی مظہر اور حقیقت میں کوئی تضاد نہیں بلکہ تعلقِ ارتقائی ہے۔

---

5. فلسفۂ مظہر و حقیقت کی روزمرہ مثالیں

مثال	مظہر	حقیقت
سورج کا طلوع و غروب	سورج حرکت کرتا ہے	زمین گھومتی ہے
آئینے میں عکس	اصل چہرہ نظر آتا ہے	عکس حقیقی نہیں
خواب میں تجربہ	حقیقت محسوس ہوتی ہے	اصل میں وہ وہم ہے

رنگوں کا فرق	سرخ، نیلا، سبز	دراصل روشنی کی مختلف طول موج
	رنگ دیکھنا	ہیں *(Wavelengths)*

یہ مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ مظاہر وہ ہیں جو ہمیں نظر آتے ہیں، جبکہ حقیقت ان کے پیچھے پوشیدہ اصول یا قانون ہے۔

---

6. فلسفیانہ نتائج

فلسفے میں مظہر اور حقیقت کی تفریق کا مطالعہ انسان کو درج ذیل نتائج تک پہنچاتا ہے:

1. **علم کی حدود** — انسان کی حسی قوتیں محدود ہیں، اس لیے اسے عقل اور وجدان کا سہارا لینا چاہیے۔

2. **تحقیق کی ضرورت** — مظاہر پر اکتفا کرنا سچائی سے دوری ہے۔ تحقیق انسان کو حقیقت کے قریب لاتی ہے۔

3. **روحانی بصیرت** — صرف ظاہری مشاہدہ کافی نہیں، بلکہ دل و دماغ کی روشنی بھی ضروری ہے۔

4. **سچائی کی وحدت** — حقیقت ایک ہی ہے، مظاہر مختلف شکلوں میں اس کی عکاسی کرتے ہیں۔

---

7. خلاصہ

فلسفے کا بنیادی محرک **حیرت، جستجو، اور حقیقت شناسی** ہے۔ انسان اپنے فطری تجسس کے باعث کائنات، زندگی، اور اپنے وجود کے اسرار کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔

مظہر اور حقیقت کے درمیان فرق یہ ہے کہ مظہر **ظاہری تجربہ** ہے جب کہ حقیقت **باطنی صداقت**۔

افلاطون، ارسطو، امام غزالی، ابن سینا، اور ہیگل سب نے اپنے اپنے طریقے سے یہ واضح کیا کہ سچائی ظاہری شکل میں نہیں بلکہ **عقلی، روحانی، اور باطنی سطح** پر پوشیدہ ہے۔

یوں فلسفہ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ دنیا کی ظاہری فریب کاریوں کے پیچھے ایک ابدی اور غیر متغیر حقیقت موجود ہے، اور یہی حقیقت انسانی فکر و معرفت کا اعلیٰ ترین ہدف ہے۔

سوال نمبر 2: اسلام میں علم الکلام کے آغاز و ارتقاء کے حوالے سے دوسرے مرحلے پر تفصیل سے بحث کیجیے

علم الکلام کا تعارف

"علم الکلام" اسلامی علوم میں ایک نہایت اہم اور گہرے علمی و فکری نوعیت کا علم ہے، جس کا مقصد **اسلامی عقائد کو عقلی و نقلی دلائل کے ذریعے واضح، ثابت، اور مخالفین کے اعتراضات سے محفوظ رکھنا** ہے۔

لفظ **"کلام"** عربی زبان کے لفظ **"کَلَمَ"** سے ماخوذ ہے، جس کے معنی گفتگو یا بیان کے ہیں۔ اسے "علم الکلام" اس لیے کہا گیا کہ اس میں عقائدِ اسلامیہ کے بارے میں **عقلی مناقشے اور مباحثے *(Debates)*** کیے جاتے تھے، خاص طور پر **کلامِ الٰہی *(یعنی قرآن)*** کی تخلیق یا قدم کے مسئلے پر۔

علم الکلام دراصل **عقائدِ اسلامی کا عقلی مطالعہ** ہے۔ اس کا بنیادی مقصد قرآن و سنت کی روشنی میں ایمان کے بنیادی اصولوں کی **عقلی توجیہ *(Rational Justification)*** اور **فلسفیانہ وضاحت *(Philosophical*

(Explanation فراہم کرنا ہے تاکہ کوئی باطل نظریہ اسلام کے عقائد پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

اسلام میں علم الکلام کا آغاز و ارتقاء

علم الکلام کا ارتقاء مختلف تاریخی ادوار میں ہوا۔ علما و محققین نے عموماً اسے تین بڑے مراحل میں تقسیم کیا ہے:

1. ***پہلا مرحلہ: ابتدائی دور (1ھ تا 100ھ)***

یعنی خلافتِ راشدہ اور ابتدائی بنو اُمیہ کا زمانہ۔

اس دور میں کلامی بحثیں زیادہ تر **سیاسی اور اعتقادی فتنوں** کے نتیجے میں ابھریں۔

2. ***دوسرا مرحلہ: منظم عقلی و فلسفیانہ دور (100ھ تا 300ھ)***

یعنی بنو اُمیہ کے اواخر اور عباسی دورِ خلافت کا ابتدائی حصہ، جس میں علم الکلام باقاعدہ **علمی شکل** اختیار کرتا ہے۔

یہی ہمارا زیرِ بحث موضوع ہے۔

3. تیسرا مرحلہ: پختگی و توازن کا دور (300ھ کے بعد)

جب امام اشعریؒ، امام ماتریدیؒ اور دیگر متکلمین نے کلامی فکر کو متوازن، منظم اور اسلامی بنیادوں پر استوار کیا۔

دوسرا مرحلہ: علم الکلام کے ارتقاء کا علمی و فکری دور (100ھ تا 300ھ)

یہ دور علم الکلام کے **تشکیل، ارتقاء اور مناظرانہ وسعت** کا زمانہ ہے۔

اسی دور میں اسلامی فکری تاریخ نے ایسے عظیم مفکرین پیدا کیے جنہوں نے عقائدِ اسلامیہ کو فلسفہ، منطق، اور غیر مسلم افکار کے مقابلے میں مضبوط عقلی بنیادوں پر قائم کیا۔

---

1. اس دور کے تاریخی و فکری پس منظر

(الف) سیاسی پس منظر

دوسرے مرحلے کا آغاز اس وقت ہوا جب:

- **بنو اُمیہ** کی حکومت کمزور ہونے لگی،

- اور **عباسی خلافت** *(132ھ/750ء)* وجود میں آئی۔

عباسی دور میں **ترجمہ کی تحریک** *(Translation Movement)* کے ذریعے یونانی، ایرانی اور ہندی فلسفے کے نظریات عربی میں منتقل ہونے لگے۔

اس سے مسلمانوں میں **فلسفیانہ مباحث اور عقلی سوالات** پیدا ہوئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلام کو صرف سیاسی نہیں بلکہ **فکری و نظریاتی چیلنجز** بھی درپیش ہوئے۔

(ب) مذہبی اور فکری تحریکات

اس دور میں مختلف **فرقے، مکاتبِ فکر، اور فکری تحریکیں** وجود میں آئیں جنہوں نے اسلامی عقائد کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مناظرہ شروع کیا۔ ان میں سب سے نمایاں تھے:

- **خوارج**
- **شیعہ**
- **قدریہ**
- **جبریہ**
- **مرجئہ**
- **معتزلہ**

یہ گروہ بنیادی طور پر **ایمان**، **عمل**، **تقدیر**، **عدل**، اور **صفاتِ الٰہی** جیسے مسائل پر مختلف آراء رکھتے تھے۔ ان اختلافات نے **علم الکلام** کو ایک مستقل علمی شکل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

---

2. علم الکلام کی عقلی بنیادوں کا آغاز

(الف) معتزلہ کا ظہور

علم الکلام کے دوسرے مرحلے میں **معتزلہ** کا کردار نہایت اہم ہے۔

یہ فرقہ دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہوا اور اس نے علم الکلام کو **منطقی و عقلی بنیادوں** پر استوار کیا۔

تاریخی پس منظر:

- معتزلہ کے بانی کے طور پر عام طور پر **واصل بن عطا** *(وفات 131ھ)* کو مانا جاتا ہے۔

- انہوں نے امام حسن بصریؒ کی مجلس سے ***"اعتزال"*** اختیار کیا *(یعنی الگ ہو گئے)* کیونکہ وہ اس بات پر مختلف رائے رکھتے تھے کہ **گناہِ**

کبیرہ کرنے والا شخص مومن ہے یا کافر۔

معتزلہ کے بنیادی اصول *(Five Principles)*

1. التوحید:

اللہ ایک ہے، اس کی صفات اس کے ذات سے جدا نہیں۔

یعنی صفاتِ باری تعالیٰ کو مجازی یا عقلی معنی میں لیا جائے تاکہ توحید میں تعدد نہ پیدا ہو۔

2. العدل:

اللہ عدل کرنے والا ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ انسان کے اعمال میں وہ خود مختار ہے۔

3. المنزلۃ بین المنزلتین:

گناہِ کبیرہ کرنے والا نہ مومن ہے نہ کافر، بلکہ ایک درمیانی حالت میں ہے۔

4. الوعد والوعید:

اللہ اپنے وعدے (انعام) اور وعید (عذاب) کے مطابق عمل کرے گا۔

5. الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر:

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض ہے۔

معتزلہ کی علمی خدمات:

- انہوں نے اسلام کے عقائد کو **عقلی بنیادوں** پر سمجھانے کی کوشش کی۔
- **یونانی فلسفے** سے متاثر ہو کر انہوں نے **عقل کو وحی پر مقدم** سمجھا۔
- "قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق" کے مسئلے پر انہوں نے کہا کہ **قرآن مخلوق ہے۔**

- عباسی خلیفہ **مامون الرشید** *(198ھ–218ھ)* کے دور میں معتزلہ کو درباری حمایت حاصل ہوئی۔

نتیجہ:

معتزلہ کے ذریعے علم الکلام نے پہلی مرتبہ **عقلی منطق، فلسفیانہ استدلال، اور مناظراتی اسلوب** حاصل کیا۔ مگر ان کے نظریات نے بعض اوقات اسلام کے سادہ اور خالص عقائد میں **تعقید اور فلسفیانہ موشگافیاں** پیدا کر دیں۔

---

3. علم الکلام کا عقلی و مناظرانہ ارتقاء

(الف) مناظرہ اور منطق کی اہمیت

دوسرے مرحلے میں علم الکلام کا بنیادی مقصد **اسلامی عقائد کا دفاع** تھا۔ چونکہ یونانی منطق و فلسفہ رائج ہو چکے تھے، اس لیے متکلمین نے انہی اصولوں کے تحت اسلامی عقائد کو **عقلی انداز** میں ثابت کرنے کی کوشش کی۔

(ب) اہم متکلمین

1. **واصل بن عطا** – معتزلہ کے بانی، جنہوں نے عقلی تعبیرات کو فروغ دیا۔

2. **عمرو بن عبید** – واصل کے شاگرد، جنہوں نے "عدل و توحید" کے اصول کو مضبوط کیا۔

3. **ابوالہذیل العلاف *(135ھ–235ھ)*** – معتزلہ کے اہم مفکر، جنہوں نے کائنات کے بارے میں نظریۂ جواہر و اعراض پیش کیا۔

4. **نظام المعتزلی** – جنہوں نے یونانی فلسفے اور اسلامی عقائد میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔

(ج) مخالف مکاتبِ فکر

اس دور میں معتزلہ کے مقابلے میں کئی نئے مکاتبِ فکر بھی سامنے آئے، جیسے:

- **اہلِ حدیث:** جو صرف قرآن و سنت کو علم و ایمان کا ذریعہ مانتے تھے۔

- **جبریہ:** جو انسان کے عمل کو مجبور سمجھتے تھے۔

- **قدریہ:** جو انسان کو مکمل طور پر مختار مانتے تھے۔

- **مرجئہ:** جو ایمان کو عمل سے الگ کرتے تھے۔

یہ تمام اختلافات اس بات کی علامت ہیں کہ علم الکلام اس زمانے میں **مباحث، مناظرات، اور فکری تنقید** کی شکل اختیار کر چکا تھا۔

---

4. عباسی دور اور علم الکلام کی سرپرستی

(الف) خلیفہ مامون الرشید اور فلسفیانہ تحریک

عباسی خلیفہ **مامون الرشید *(198ھ–218ھ)*** علم و فلسفہ کا بڑا سرپرست تھا۔

اس کے دور میں:

- "بیت الحکمہ" قائم کیا گیا جہاں **یونانی، ہندی اور ایرانی کتب** کا عربی میں ترجمہ ہوا۔

- معتزلہ کو درباری حیثیت حاصل ہوئی۔

- عقلی مباحث کو باقاعدہ **ریاستی سرپرستی** ملی۔

(ب) محنہ *(Inquisition)* کا واقعہ

مامون الرشید اور اس کے بعد آنے والے خلفاء نے معتزلہ کے عقائد کو **ریاستی مذہب** بنانے کی کوشش کی۔

خاص طور پر "قرآن مخلوق ہے" کے عقیدے کو سرکاری حیثیت دی گئی۔

جو علماء اس نظریے سے اختلاف کرتے تھے، جیسے:

- **امام احمد بن حنبلؒ**

  انہیں سخت اذیتیں دی گئیں۔

یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں **"محنہ"** کے نام سے معروف ہے۔

(ج) محنہ کے نتائج

- علم الکلام پر **شدید ردِعمل** سامنے آیا۔

- اہلِ سنت کے علماء نے معتزلہ کی **انتہا پسند عقلیت** کے مقابلے میں ایک **معتدل کلامی نظام** کی بنیاد رکھی۔

- یہی وہ ماحول تھا جس سے بعد میں **اشعری اور ماتریدی مکتبۂ فکر** وجود میں آئے۔

---

5. دوسرے مرحلے کے فکری نتائج

دوسرے مرحلے میں علم الکلام نے:

1. **اسلامی عقائد کو فلسفیانہ زبان میں بیان کرنے** کی صلاحیت حاصل کی۔

2. **عقلیت** اور **نقلیت** ***(Reason & Revelation)*** کے درمیان تعلق پر تفصیلی بحث کی۔

3. **اسلامی منطق، مناظرات اور فلسفہ** کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔

4. مستقبل میں امام اشعریؒ، امام ماتریدیؒ، اور امام غزالیؒ جیسے علماء کے لیے **فکری مواد** فراہم کیا۔

---

6. علم الکلام کے دوسرے مرحلے کے نمایاں مضامین

موضوع	توضیح

صفاتِ باری تعالیٰ	کیا صفات خدا کی ذات سے الگ ہیں یا متحد؟
قرآن کی تخلیق	معتزلہ کے مطابق قرآن مخلوق ہے، اہلِ سنت کے مطابق غیر مخلوق۔
عدل و جبر کا مسئلہ	انسان کے اعمال میں آزادی اور تقدیر کے اثرات۔
ایمان اور عمل	ایمان کا تعلق دل سے ہے یا عمل سے؟
رؤیتِ الٰہی	کیا اللہ کو آخرت میں دیکھا جا سکتا ہے؟

یہ تمام مسائل دوسرے مرحلے میں شدت سے زیرِ بحث آئے۔

---

7. خلاصہ

علم الکلام کا **دوسرا مرحلہ *(100ھ تا 300ھ)*** وہ زمانہ ہے جب اسلامی عقائد کی **عقلی تشریح و تفسیر** کا عمل منظم انداز میں شروع ہوا۔

اس دور میں:

- معتزلہ نے عقلیت کی بنیاد پر کلامی فلسفہ پیش کیا۔
- عباسی خلفاء نے فکری تحریکات کی سرپرستی کی۔
- منطق و فلسفہ اسلامی علمی روایت کا حصہ بنے۔

اگرچہ معتزلہ کی بعض آراء بعد میں رد کر دی گئیں، لیکن ان کے ذریعے **اسلامی فکر کو ایک نیا عقلی و استدلالی افق** ملا۔

یوں دوسرا مرحلہ علم الکلام کے **عروج، تنقید، اور فکری وسعت** کا زمانہ کہلاتا ہے۔

اسی مرحلے نے بعد کے دور میں **امام ابو الحسن اشعریؒ** اور **امام ابو منصور ماتریدیؒ** جیسے جلیل القدر متکلمین کو وہ فکری بنیاد فراہم کی جس پر انہوں

نے **اہلِ سنت کا معتدل نظامِ علم الکلام** تشکیل دیا، جو آج تک اسلامی عقائد کا مضبوط دفاع کرتا ہے۔

سوال نمبر *3:* ابن طفیل کے رسالہ "حی بن یقظان" پر مفصل نوٹ تحریر کیجیے

ابن طفیل کا تعارف

ابن طفیل (پورا نام: **ابوبکر محمد بن عبدالملک بن طفیل القیسی الاندلسی**) کا شمار اندلس (اسپین) کے ان نامور مسلم فلاسفہ میں ہوتا ہے جنہوں نے **فلسفہ، سائنس، طب، فلکیات، اور تصوف** کے میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

ان کی پیدائش ***1105ء (493ھ)*** میں **وادی آش *(Granada)*** کے قریب ایک مقام پر ہوئی اور وفات ***1185ء (581ھ)*** میں ہوئی۔

ابن طفیل، ابن رشد کے استاد، اور اندلس میں فلسفہ و سائنس کے سرکاری سرپرست بھی تھے۔

وہ نہ صرف **فلسفی** بلکہ ایک **طبیب، شاعر، مفسر، اور ماہرِ فلکیات** بھی تھے۔ تاہم ان کی شہرت کا اصل سبب ان کا **مشہور فلسفیانہ رسالہ "حی بن یقظان"** ہے، جسے اسلامی اور مغربی فکری تاریخ میں ایک **نقطۂ عطف *(Milestone)*** سمجھا جاتا ہے۔

رسالہ "حی بن یقظان" کا تعارف

"حی بن یقظان" ابن طفیل کا واحد معروف فلسفیانہ و ادبی رسالہ ہے، جو عربی زبان میں لکھا گیا۔

اس کا پورا عنوان ہے:

"حی بن یقظان فی أسرار الحکمۃ المشرقیۃ"

یعنی "زندہ بن بیدار — مشرقی حکمت کے اسرار پر ایک رسالہ"۔

یہ ایک **فلسفیانہ داستان *(Philosophical Allegory)*** ہے، جو **فلسفہ، منطق، تصوف، اور سائنسی تجربے** کو کہانی کے قالب میں پیش کرتی ہے۔

اس رسالے میں ابن طفیل نے **انسانی عقل، تجربہ، وجدان، اور وحی** کے تعلق کو انتہائی حسین انداز میں واضح کیا ہے۔

یہ کہانی بظاہر ایک **فلسفیانہ ناول** ہے، مگر درحقیقت **انسان کے علم، شعور، اور معرفتِ الٰہی تک پہنچنے کے مراحل** کی تمثیل ہے۔

رسالہ کے عنوان کی معنویت

لفظ **"حی"** کے معنی ہیں "زندہ"

اور **"یقظان"** کے معنی ہیں "بیدار" یا "جاگنے والا"۔

گویا **"حی بن یقظان"** کا مطلب ہوا **"زندہ، بیدار شخص کا بیٹا"**۔

یہ نام **علامتی یا تمثیلی** ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کے اندر **زندگی، شعور، اور بیداری** کی وہ قوت موجود ہے جو اسے **معرفتِ حق** تک پہنچا سکتی ہے۔

کہانی کا خلاصہ

ابن طفیل نے "حی بن یقظان" میں ایک **فرضی جزیرے** کی کہانی بیان کی ہے جہاں ایک بچہ بغیر کسی انسانی معاشرے کے **تنہا پیدا ہوتا ہے** اور **قدرت کے مشاہدے اور تجربے** کے ذریعے آہستہ آہستہ **حقیقتِ کائنات اور خدا کی معرفت** حاصل کر لیتا ہے۔

اس کہانی کے دو ممکنہ آغاز *(Versions)* بیان کیے گئے ہیں:

(الف) فطری پیدائش کا نظریہ

ابن طفیل کے مطابق حی بن یقظان ایک ایسے جزیرے میں **خود بخود پیدا** ہوا جہاں کوئی انسان نہیں تھا۔

یہ پیدائش **فطری عناصر (مٹی، پانی، حرارت وغیرہ)** کے امتزاج سے ہوئی — یعنی ایک طرح سے یہ **ارتقائی پیدائش کا نظریہ *(Spontaneous Generation)*** ہے۔

(ب) معاشرتی پیدائش کا نظریہ

دوسری روایت کے مطابق، حی ایک **شاہی خاندان کے بچے** تھے جنہیں سیاسی وجوہات کے باعث ایک صندوق میں رکھ کر سمندر کے حوالے کر دیا گیا۔

یہ صندوق ایک جزیرے کے کنارے پہنچا، اور حی کو ایک **غزال (ہرنی)** نے دودھ پلا کر پالا۔

دونوں صورتوں میں مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ **انسان کا ذہن پیدائشی طور پر خالی *(Blank Slate)*** ہوتا ہے، مگر اس میں فطرتاً **علم و شعور حاصل کرنے کی استعداد *(Potential)*** موجود ہوتی ہے۔

حی بن یقظان کی تربیت و شعور کا سفر

ابن طفیل نے کہانی کو سات مراحل میں تقسیم کیا ہے، جو انسان کی **فکری و روحانی ترقی** کے مراحل کی نمائندگی کرتے ہیں۔

1. ابتدائی شعور *(Infant Stage)*

حی کو ایک غزال نے پالا۔

اس نے **حسی تجربات *(Sensory Experiences)*** کے ذریعے دنیا کو جاننا شروع کیا — یعنی محسوسات سے علم حاصل کرنا شروع کیا۔

یہ **علمِ حسی *(Empirical Knowledge)*** کی ابتدائی بنیاد ہے۔

2. مشاہدہ اور تجربہ *(Observation and Experimentation)*

حی نے مختلف جانوروں اور قدرتی مظاہر کا مشاہدہ کیا۔

جب اس کی ماں (غزال) مر گئی، تو اس نے تجسس کے تحت اس کا جسم چاک کیا تاکہ مرنے کی وجہ معلوم کرے۔

یہ تجربہ اسے **جسم اور روح کے فرق** کا احساس دلاتا ہے۔

اسے علم ہوتا ہے کہ **زندگی کا منبع جسم نہیں بلکہ روح ہے۔**

3. فطرت کا مطالعہ *(Study of Nature)*

اب حی نے اپنی توجہ فطرت کی طرف مبذول کی۔

اس نے محسوس کیا کہ تمام جاندار اور بے جان چیزوں میں ایک **نظام اور نظم** موجود ہے۔

اس سے اس نے نتیجہ نکالا کہ اس نظام کا کوئی **خالق و مدبر *(Creator and Controller)*** ہے۔

یوں وہ تجربے اور مشاہدے سے **خدا کے وجود** تک پہنچتا ہے۔

4. کائناتی نظم کی دریافت *(Understanding the Cosmos)*

حی نے کائنات میں حرکت، تبدیلی، اور نظم کو محسوس کیا۔

اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ سب **ایک لازوال، ابدی ہستی** کے تحت قائم ہے۔

یہ ہستی وہ ہے جسے بعد میں **اللہ** کہا گیا۔

یوں وہ **عقل و تجربے سے ماوراء حقیقت *(Metaphysical Reality)*** کی جستجو میں آگے بڑھتا ہے۔

5. روحانی ادراک *(Spiritual Enlightenment)*

اب حی **عبادت، مراقبہ، اور ریاضت** کے ذریعے روحانی دنیا میں داخل ہوتا ہے۔

وہ محسوس کرتا ہے کہ **کائنات ایک عارضی مظہر ہے**، اور حقیقت صرف **اللہ کی ذات** ہے۔

یہاں اس کی عقل تصوف میں داخل ہو جاتی ہے، اور اسے **عرفانِ الٰہی *(Divine Illumination)*** حاصل ہوتا ہے۔

6. معاشرت سے تعارف *(Contact with Society)*

ایک دن **ابسال** نامی شخص جزیرے میں آتا ہے جو ایک دوسرے جزیرے سے آیا ہوا ہے۔

وہ ایک مذہب کا پیروکار ہے اور عبادت گزار شخص ہے۔

ابسال اور حی کی ملاقات علم و روحانیت کی نئی بحث کو جنم دیتی ہے۔

ابسال اسے انسانی معاشرے، شریعت اور مذہبی علامات کے بارے میں بتاتا ہے۔

حی سمجھتا ہے کہ دین کی تعلیمات دراصل وہی حقائق ہیں جنہیں اس نے **عقل اور تجربے سے دریافت** کیا تھا، البتہ عوام کے لیے انہیں **علامات *(Symbols)*** میں بیان کیا گیا ہے۔

7. دعوت اور ناکامی *(Preaching and Disillusionment)*

حی، ابسال کے ساتھ اس کے جزیرے پر جاتا ہے تاکہ اپنے مشاہدات اور فلسفہ لوگوں کو سمجھا سکے۔

مگر عوام اس کے نظریات کو سمجھ نہیں پاتے۔

حی کو احساس ہوتا ہے کہ **ہر انسان سچائی کو براہِ راست نہیں سمجھ سکتا۔**

یوں وہ واپس اپنے جزیرے پر چلا جاتا ہے اور آخر عمر عبادت و مراقبے میں گزارتا ہے۔

رسالہ کے فکری و فلسفیانہ پہلو

ابن طفیل نے "حی بن یقظان" میں درج ذیل اہم فلسفیانہ مباحث کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے:

***1.* عقل اور وحی کا تعلق**

- ابن طفیل کے نزدیک عقل اور وحی میں کوئی تضاد نہیں۔

- عقل اگر صحیح استعمال کی جائے تو وہ وہی نتائج حاصل کرتی ہے جو وحی بیان کرتی ہے۔

- "حی" عقل کی علامت ہے، اور "ابسال" وحی یا مذہبی ایمان کی نمائندگی کرتا ہے۔

- دونوں آخرکار ایک ہی سچائی تک پہنچتے ہیں۔

2. تجربہ اور مشاہدہ کی اہمیت

- حی کا فکری سفر **تجربے *(Experimentation)*** اور **مشاہدے *(Observation)*** پر مبنی ہے۔

- وہ علم کو براہِ راست محسوسات اور عقل سے حاصل کرتا ہے۔

- اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابن طفیل سائنس اور تجربے کو علم کا بنیادی ذریعہ سمجھتے ہیں۔

3. خدا کا وجود

- ابن طفیل کے نزدیک خدا کی معرفت **کائنات کے مشاہدے** سے حاصل ہوتی ہے۔

- کائنات میں نظم و ضبط، مقصدیت، اور توازن — خدا کی موجودگی کی دلیل ہے۔

- یہ خدا **واحد، ازلی، ابدی، اور غیر مادی** ہے۔

4. تصوف اور فلسفہ کی ہم آہنگی

- حی کا روحانی ارتقاء **فلسفے سے تصوف تک** کے سفر کی علامت ہے۔

- پہلے وہ عقلی استدلال سے حقیقت تک پہنچتا ہے، پھر وجدانی تجربے سے۔

- ابن طفیل کے نزدیک فلسفہ اور تصوف دونوں حقیقت تک پہنچنے کے راستے ہیں — صرف طریقہ مختلف ہے۔

5. تعلیم و تبلیغ کا اصول

- ابن طفیل بتاتے ہیں کہ ہر انسان حقیقت کو براہِ راست نہیں سمجھ سکتا۔

- عوام کے لیے مذہب کی علامتی *(Symbolic)* زبان زیادہ موزوں ہے۔

- اس لیے شریعت ان کے لیے آسان اور قابلِ فہم طریقہ ہے، جبکہ فلسفہ اہلِ عقل کے لیے ہے۔

ادبی و تمثیلی خصوصیات

"حی بن یقظان" نہ صرف فلسفیانہ بلکہ **ادبی لحاظ سے بھی ایک شاہکار** ہے۔ اس میں علامت، تمثیل، استعارہ، اور مجاز کا خوبصورت استعمال کیا گیا ہے۔

پہلو	وضاحت
تمثیلی انداز	پوری کہانی دراصل انسانی عقل و روح کے سفر کی علامت ہے۔
سلاست و روانی	نثر سادہ، فلسفیانہ مگر دلکش ہے۔
فطرت نگاری	جزیرے، جانوروں، اور قدرتی مناظر کی تفصیل قاری کو متاثر کرتی ہے۔
فکر و احساس کی ہم آہنگی	عقل، تجربہ، اور ایمان کے درمیان توازن دکھایا گیا ہے۔

"حی بن یقظان" کا فلسفیانہ پیغام

1. **انسانی عقل کی استعداد** — انسان خود علم و معرفت حاصل کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔

2. **وحی کی ضرورت** — عام انسان کے لیے وحی ناگزیر ہے کیونکہ ہر عقل حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی۔

3. **تجربہ و مشاہدہ کی قدر** — علم صرف زبانی نہیں بلکہ مشاہدے اور تدبر سے حاصل ہوتا ہے۔

4. **فلسفہ و مذہب کا اتحاد** — سچی فلسفہ اور سچا مذہب ایک ہی حقیقت کی تلاش ہیں۔

5. **انسانی فطرت کی پاکیزگی** — انسان اگر اپنی فطرت کے مطابق چلے تو معرفتِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے۔

"حی بن یقظان" کا اثر و اثرات

***1.* اسلامی دنیا میں اثرات**

- ابن طفیل کے شاگرد **ابن رشد *(Averroes)*** نے فلسفے اور مذہب کے تعلق پر مزید گہرائی سے کام کیا۔

- بعد کے متکلمین نے "حی بن یقظان" کو **عقل و وحی کے امتزاج** کی مثال قرار دیا۔

***2.* یورپ میں اثرات**

- اس رسالے کا لاطینی ترجمہ ***"Philosophus Autodidactus"*** کے نام سے ہوا۔

- اس نے **یورپی نشاۃ ثانیہ *(Renaissance)***، **سائنس کی تحریک**، اور ***Enlightenment*** پر گہرا اثر ڈالا۔

- **جان لاک *(John Locke)*** کے نظریۂ *"Tabula Rasa" (Blank Slate)* پر اس رسالے کا اثر واضح ہے۔

- **ڈینیئل ڈیفو** کے مشہور ناول *"Robinson Crusoe"* کا بنیادی خیال بھی اسی داستان سے ماخوذ ہے۔

نتیجہ

ابن طفیل کا **"**حی بن یقظان**"** ایک **فلسفیانہ تمثیل** ہے جو عقل، تجربے، اور وجدان کے ذریعے **انسانی شعور کے ارتقاء** کو بیان کرتی ہے۔

یہ رسالہ اس بات کی دلیل ہے کہ **اسلامی فلسفہ صرف عقلی یا نقلی نہیں بلکہ دونوں کا حسین امتزاج** ہے۔

ابن طفیل نے اس داستان کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ:

"انسان اگر خالص نیت، عقلی تدبر، اور روحانی ریاضت کے ساتھ فطرت کا مطالعہ کرے تو وہ بغیر کسی رہنمائی کے بھی خدا کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔"

یوں "حی بن یقظان" نہ صرف اسلامی فلسفے کا بلکہ **عالمی فکری ورثے کا عظیم شاہکار** ہے، جو آج بھی انسان کو **خود شناسی، علم، اور ایمان کے باہمی تعلق** پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

سوال نمبر *4* — اسلامی نقطۂ نظر سے: انسان کائنات میں کس مقام پر فائز ہے؟ تفصیلی نوٹ

اسلامی تعلیمات میں انسان کا مقام کائنات میں منفرد، معزز اور ذمہ داریوں سے ہم آہنگ سمجھا گیا ہے۔ قرآن و سنت نے انسان کی حیثیت کو نہ صرف مادی و حیوانی سطح تک محدود رکھا بلکہ اسے ایک روحانی، عقلانی اور اجتماعی مقام عطا کیا۔ ذیل میں اس موضوع کو مختلف زاویوں سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے — نصوص، فلسفیانہ معنی، اخلاقی و عملی ذمہ داریاں، اور عملی نتائج کے ساتھ۔

***1.* قرآنی اور نبوی بنیادیں (اصلی حوالہ جات)**

- **خلافتِ ارضی (خلیفۃ اللہ):** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: «وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً» (بقرہ؛ *2:30*) — یہ آیت انسان کی زمین پر نائبِ خدا ہونے کا اشارہ ہے: اختیار بھی اور ذمہ داری بھی۔

- **عزتِ انسان:** «وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ» *(اسراء؛ 17:70)* — انسان کو اللہ نے عزت دی۔

- **بہترین صورت:** «لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ» *(التین؛ 95:4)* — انسان کو بہترین ترتیب و کمال میں پیدا کیا گیا۔

- **مقصدِ تخلیق:** «وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ» *(ذاریات؛ 51:56)* — انسان کی بنیادی غایت اللہ کی عبادت اور اس کی رضا ہے۔

- **انسانی مساوات و تقویٰ کی فضیلت:** «يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِن ذَكَرٍ وَأُنْثَى...» اور «إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ» *(الحجرات؛ 49:13)* — انسانی قدر کا معیار تقویٰ ہے نہ نسب یا مال۔

نبوی احادیث میں بھی مقام و ذمہ داری کی وضاحت ملی ہے: «كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ» — ہر آدمی کو ایک معین ذاتی و اجتماعی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

2. انسان: عظمت کے ساتھ ذمہ داری *(Honour + Responsibility)*

اسلامی تکوین میں انسان دو جہتی حیثیت رکھتا ہے:

- **عظمت و وقار:** عقل، اختیار، اخلاقی شعور، زبان، اور علمِ فرق (حسن و قبح) کی وجہ سے انسان دیگر مخلوقات سے برتر ہے۔

- **امانت و امانت داری:** عقل و اختیار انسان کو ذمہ دار بناتے ہیں — زمین کی حفاظت، انصاف کا نفاذ، ہمدردی اور عدل۔ خلافت کا مطلب فقط حکومت نہیں بلکہ ذمہ دارانہ نگہبانی بھی ہے۔

3. عقل، روح اور فطرت — تین ستون

اسلام انسان کو تین جہتوں میں دیکھتا ہے:

1. **عقل *(Aql)*:** اللہ نے انسان کو سوچنے سمجھنے کی طاقت دی — لہٰذا معرفتِ حق کے حصول، فکری تحقیق اور علم کی جستجو فرض ہے:
«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ» (حدیثِ مرویہ)۔

2. **روح *(Ruh)*:** انسان جسمانی وجود کے ساتھ ایک روحی حقیقت بھی رکھتا ہے؛ یہی اس کی عبادت اور خلوص کی طرف مائل کرتی ہے۔

3. **فطرت *(Fitrah)*:** اسلامی تصورِ فطرت کے مطابق انسان میں اللہ کی طرف مڑنے کی قدرت ہوتی ہے — فطرت انسان کو توحید کی طرف مائل کرتی ہے جب تک وہ پراسیس کر کے منحرف نہ ہو۔

4. انسان اور دیگر مخلوقات کا نسبتاً مقام

اسلامی شعور میں انسان حیوان سے بلند ہے مگر یہ برتری خودبخود استحقاق نہیں بلکہ **قدرتی اور اخلاقی قابلیت** کی بنیاد پر ہے:

- انسان میں عقل، بیان، تقوٰی اور ذمہ داری کی صلاحیت موجود ہے جو اسے اشرف المخلوقات بناتی ہے۔

- یہ بالکل بھی اجازت نہیں کہ انسان خود کو معبود بنالے یا مخلوق کا بے جا استحصال کرے — بل کہ وہ مخلوق کا امین ہے، ماحول و حیوانات کا

محافظ بھی۔

5. دنیاوی زندگی بطور آزمائش و امتحان

قرآن انسان کو دنیا کو **آزمائش** بتاتا ہے: «الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً» (الملك؛ 67:2)۔ انسان کا مقام اس امتحان میں اس کے اعمال سے معین ہوگا۔ خلافت کا تقاضا اعمال صالحہ، عدل اور تقوٰی ہے۔ دنیاگرائی، شہوات پرستی یا استبداد اسے اس مقام سے نیچا گرادیتی ہے۔

6. اخلاقی و اجتماعی ذمہ داریاں (Practical Duties)

انسان کی بلند منزل کی تعبیر عملی طور پر کئی واجبات و فرائض سے جڑی ہے:

- **عبادت و تعلقِ باللہ:** نماز، ذکر، طاعت وغیرہ؛ انسان کی بنیادی غایت۔
- **علم و حکمت کی تلاش:** علم حاصل کرنا، تحقیق، علم کو معاشرہ کے فائدے میں لانا۔

- **عدل و انصاف:** معاشرتی انصاف، حقوقِ انسانی کا تحفظ۔

- **فرماں برداری اور اصلاح معاشرہ:** امر بالمعروف و نہی عن المنکر، فلاح عامہ۔

- **ماحولیاتی اور اقتصادی امانت داری:** فطرت کا تحفظ، وسائل میں اعتدال، ظلم و استحصال سے اجتناب۔

- **انسانی کرامت کا تحفظ:** کسی کو ذلیل نہ کرنا، حقوقِ غربا کی پاسداری، مساوات۔

7. روحانی کمال و قربِ الٰہی (Spiritual Elevation)

اسلام انسان کو اللہ کے قریب ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ انسان کی عظمت کا سب سے بلند مقام وہ ہے جہاں وہ **تقویٰ، اخلاص اور عملِ صالح** کے ذریعے اللہ کے قرب حاصل کرے۔ پیغمبروں، ولیّوں اور صالحین کی مثالیں یہ بتاتی ہیں کہ

انسان فانی دنیا میں روحانی بلندی پا سکتا ہے، مگر یہ مقام عمل و تزکیہ کا نتیجہ ہے نہ خودبخود ملا ہوا مرتبہ۔

8. حدودِ انسانیت: غرور و کاهش دونوں سے بچاؤ

اسلامی نظریہ انسان کو نہ خدا سمجھنے کی ہدایت دیتا ہے اور نہ مادیات کے غلام بننے۔ احترامِ نفس کے ساتھ ساتھ ** *humility* (عاجزی)** بھی لازم ہے: «إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ» — عزت کا معیار تقویٰ ہے۔ اسی طرح انسان کو یہ بھی سکھایا گیا کہ اس کا مقام بالا ہے مگر محدود — وہ خود مختار نہیں، قیّوم اللہ پر انحصار اور شکر ضروری ہے۔

9. انسان، تاریخ اور امت کا کردار

اسلامی نقطۂ نظر میں انسان کا فردی مقام امتیت سے جڑا ہوتا ہے۔ انسان کے اعمال فردی بھی ہیں مگر اجتماعی اثر رکھتے ہیں — امتیں سماجی عدالت، علم، اور رہبری کے ذریعے تاریخ میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ انسان کا حقیقی مقام اس کے اخلاقی اور فکری اثر سے ناپاجاتا ہے۔

10. ما بعدِ حیات میں حقیقی مقام کا تعین

اسلامی تعلیم کے مطابق دنیا ایک عارضی اسٹیج ہے؛ حقیقی اور دائمی مقام آخرت میں معین ہوگا۔ انسان کی زمینی خلافت اور عزت کا حتمی تعین اس کے ایمان و عمل کی بنیاد پر جنت یا دوزخ کی صورت میں ہوگا۔ اس لیے انسان کا فرائض پورا کرنا نہ صرف دنیا بلکہ دائمی زندگی کے لیے بھی ضروری ہے۔

نتیجہ *(خلاصہ)*

اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کائنات میں ایک **ممتاز، معزز اور ذمہ دار** مخلوق ہے:

- اس کو **عقل، اختیار، روح اور فطرت** دی گئی ہے،

- اس کا مقام **خلیفہ** یعنی زمین کا نائب بننے کا ہے، مگر اسی مقام کے ساتھ **جوئی و امانت داری، عدل، علم و تزکیہ** جیسی ذمہ داریاں منسلک ہیں۔

- انسان کی حقیقی عزت اس کی **تقویٰ اور عمل صالح** میں مضمر ہے، اور اس کا دائمی مقام آخرت کے حساب سے واضح ہوگا۔

اس طرح اسلام انسان کو نہ تو محض مادّی وجود سمجھتا ہے، نہ محض روحانی ٹھہراتا ہے — بلکہ ایک متوازن ہستی کے طور پر دیکھتا ہے جسے علم، عمل اور اخلاق کے ذریعے اپنی اعلیٰ منزل تک پہنچنا ہے۔

سوال نمبر 5 — ابنِ رشدؒ کے حالاتِ زندگی اور فکر و فلسفہ پر جامع مضمون

ابنِ رشدؒ *(Averroes)* اسلامی فلسفے، علم و عقل کے امتزاج، اور یونانی فکر کی شرح و تعبیر میں ایک نمایاں نام ہیں۔ وہ نہ صرف اندلس *(اسپین)* کی علمی و فکری تاریخ کا روشن باب ہیں بلکہ اُن کی فکری کاوشوں نے مشرق و مغرب دونوں کے علمی افق پر گہرا اثر چھوڑا۔ اُنہیں "شارحِ ارسطو" *(Commentator of Aristotle)* کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کیونکہ اُنہوں نے ارسطو کے نظریات کی ایسی جامع تشریح کی جو یورپی نشاۃ ثانیہ *(Renaissance)* کا فکری پیش خیمہ بنی۔ ذیل میں ان کے **حالاتِ زندگی، علمی خدمات، فلسفیانہ نظریات اور اثرات** پر تفصیلی بحث پیش کی جا رہی ہے۔

---

1. ابتدائی حالاتِ زندگی

ابنِ رشدؒ کا پورا نام **ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبی** تھا۔ اُن کی ولادت ***1126ء (520ھ)*** میں **قرطبہ *(Córdoba)***، اندلس میں ہوئی۔ یہ شہر اُس وقت مغربی دنیا کا علمی مرکز تھا۔ ابنِ رشد ایک علمی و فقہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے — ان کے والد اور دادا دونوں قاضی تھے اور فقہ

مالکی کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔

بچپن ہی سے ابنِ رشد کو علم سے گہری وابستگی تھی۔ اُنہوں نے قرآن و حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق، طب، نجوم، ریاضی اور ادب سبھی علوم میں دسترس حاصل کی۔ اُن کے اساتذہ میں **ابو جعفر ہارون** اور **ابن باجہ** جیسے مشہور مفکر شامل تھے۔

---

2. علمی تربیت اور فلسفہ سے شغف

ابنِ رشد نے اپنی جوانی میں ارسطو اور یونانی فلاسفہ کے نظریات کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ **افلاطون، سقراط، جالینوس، بطلیموس اور ارسطو** کے نظریات سے واقف تھے۔ تاہم، اُنہوں نے یونانی فلسفے کو عین اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا اور اسے **وحی و عقل** کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا۔

انہوں نے طب *(Medicine)* اور قانون *(Law)* میں بھی مہارت حاصل کی۔ ان کی طبی تصانیف نے صدیوں تک یورپ میں نصابی حیثیت رکھی۔ اُن کی ایک مشہور طبی کتاب ***"الکلیات فی الطب" (Generalities of Medicine)***

تھی، جو کئی زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور صدیوں تک مغربی جامعات میں بطور نصاب پڑھائی جاتی رہی۔

---

3. دربارِ مملکت میں عہدے

ابنِ رشد کی ذہانت اور فکری بصیرت کی بدولت اُنہیں **خلیفہ ابو یعقوب یوسف** (الموحّد خاندان کے حکمران) نے دربار میں بلایا۔ خلیفہ خود فلسفے کا شوقین تھا۔ اس نے ابنِ رشد سے ارسطو کے نظریات پر گفتگو کی اور اُنہیں ارسطو کی کتابوں کی شرح لکھنے کا حکم دیا۔

ابنِ رشد نے یہ کام خلوص سے انجام دیا، اور اس دوران اُنہوں نے **ارسطو کی تقریباً تمام اہم تصانیف** کی شرح تحریر کی، جنہیں بعد میں لاطینی اور عبرانی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔

بعد ازاں، اُنہیں **قرطبہ اور اشبیلیہ (Seville)** میں قاضی القضاۃ (Chief Judge) مقرر کیا گیا، اور وہ کئی سال تک عدالتی و علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

---

4. فکری پس منظر — عقل و وحی کا امتزاج

ابنِ رشد کا فلسفیانہ مقام اس بات میں مضمر ہے کہ انہوں نے **عقل *(Reason)*** اور **وحی *(Revelation)*** کے باہمی تعلق کو متوازن طور پر سمجھنے کی کوشش کی۔

انہوں نے یہ نظریہ پیش کیا کہ:

"شریعت اور فلسفہ دونوں حقیقت کے متوازی راستے ہیں؛ ان میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ ان کا مقصد ایک ہی ہے — حق تک رسائی۔"

یہی تصور اُن کی مشہور تصنیف **"فصل المقال فیما بین الحکمة و الشریعة من الاتصال"** *(Decisive Treatise on the Harmony Between Religion and Philosophy)* میں واضح نظر آتا ہے۔

اُن کے نزدیک:

- شریعت عوام کے لیے ہے تاکہ وہ ایمان کے ذریعے حق تک پہنچیں۔

- فلسفہ خواص کے لیے ہے تاکہ وہ عقل و منطق کے ذریعے حقیقت کو پہچانیں۔

- اگر دونوں میں بظاہر تضاد نظر آئے تو دراصل یہ **تعبیر و تاویل** کا فرق ہوتا ہے، نہ کہ اصل میں کوئی تصادم۔

---

5. ابنِ رشد کا فلسفۂ عقل *(Theory of Reason)*

ابنِ رشد کے فلسفے کا بنیادی نکتہ **عقل *(Intellect)*** ہے۔ اُن کے نزدیک:

1. **وحی اور عقل دونوں الہامی ذرائع ہیں:** عقل انسان کو اللہ کی نشانیاں سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

2. **فلسفہ عبادت کی ایک صورت ہے:** کیونکہ فلسفی غور و فکر کے ذریعے خالقِ کائنات کی حکمت کو پہچانتا ہے۔

3. **دینی احکام کے باطن میں عقل کی مطابقت پائی جاتی ہے:** اگر کوئی حکم بظاہر غیرعقلی محسوس ہو، تو اس کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، رد نہیں کرنا چاہیے۔

ابنِ رشد کے مطابق، **اسلام عقل و فکر کا دشمن نہیں بلکہ سب سے بڑا حامی ہے** — قرآن کی متعدد آیات "افلا یتدبرون"، "افلا یعقلون" وغیرہ اسی تدبرِ عقلی کی تاکید کرتی ہیں۔

---

6. ارسطو کی شرحیں *(Commentaries on Aristotle)*

ابنِ رشد نے ارسطو کے فلسفے پر تین درجوں میں شروح لکھی:

1. **مختصر شرح *(Jami')*:** عام فہم لوگوں کے لیے۔

2. **وسطی شرح *(Talkhis)*:** طلبا و فہم رکھنے والے افراد کے لیے۔

3. **طویل شرح *(Tafsir)*:** ماہرین و فلاسفہ کے لیے۔

ان شروح میں انہوں نے ارسطو کے نظریات مثلاً مابعد الطبیعیات *(Metaphysics)*، علم النفس *(Psychology)*، منطق *(Logic)*، اور اخلاقیات *(Ethics)* پر بحث کی۔

اُن کا یہ کارنامہ بعد میں یورپ میں فلسفے کی بیداری کا سبب بنا۔ **تھامس ایکوائنس *(Thomas Aquinas)***، **سیجر آف برابانٹ *(Siger of Brabant)*** اور دیگر مغربی فلسفیوں نے ابنِ رشد کی تشریحات کو بنیاد بنا کر *"Averroism"* کی تحریک پیدا کی۔

---

7. مذہب و فلسفہ کا رشتہ — ابنِ رشد کا نقطۂ نظر

ابنِ رشد کے نزدیک مذہب اور فلسفہ میں بظاہر تضاد محض ظاہری ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ:

"دین اور فلسفہ ایک ہی مقصد کے دو طریقے ہیں — دونوں حقیقت کی تلاش کرتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دین عوام کو مثالوں کے ذریعے سمجھاتا ہے، اور فلسفہ استدلال کے ذریعے۔"

یہی نظریہ اُنہیں **غزالی** جیسے مفکرین سے جدا کرتا ہے۔ امام غزالی نے فلسفیوں پر تکفیر کی تھی (کتاب "تہافت الفلاسفہ" میں)، جب کہ ابنِ رشد نے اس کا جواب اپنی مشہور کتاب ***"تہافت التہافت" (Incoherence of the Incoherence)*** میں دیا۔

انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ فلسفہ دراصل ایمان کی تقویت کا ذریعہ ہے، نہ کہ اس کی نفی۔

---

8. ابنِ رشد کی اہم تصانیف

1. ***فصل المقال فیما بین الحکمة و الشریعة من الاتصال*** — عقل و وحی کا رشتہ۔

2. **تہافت التہافت** — امام غزالی کے اعتراضات کا مدلل جواب۔

3. **بیدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد** — فقہ مالکی پر ایک جامع فقہی انسائیکلوپیڈیا۔

4. **الکلیات فی الطب** — طب کے اصول و کلیات پر مبنی کتاب۔

5. **شرح مابعد الطبیعیات، شرح الاخلاق، شرح السیاسۃ** — ارسطو کی مختلف کتابوں کی شروح۔

---

9. ابنِ رشد کا مذہبی اور فلسفیانہ ہم آہنگی کا نظریہ

ابنِ رشد کے نزدیک:

- شریعت اور عقل ایک ہی حقیقت کی دو جہتیں ہیں۔

- علمِ وحی کا مقصد انسان کی روحانی اصلاح ہے، جب کہ علمِ فلسفہ کا مقصد ذہنی و عقلی اصلاح ہے۔

- عقل کا استعمال عبادت کا درجہ رکھتا ہے، کیونکہ یہ اللہ کی نشانیوں پر غور و فکر کا عمل ہے۔

ان کے نزدیک عقل کی راہ پر چلنے والا شخص بھی عبادت گزار ہے، کیونکہ وہ کائنات میں خدا کی حکمت کو پہچاننے کی کوشش کرتا ہے۔

---

10. اثرات — مشرق و مغرب پر ابنِ رشد کا اثر

(الف) اسلامی دنیا پر اثرات

اسلامی دنیا میں اگرچہ ابنِ رشد کے فلسفے کو شروع میں مذہبی طبقے نے مخالفت کے ساتھ دیکھا، مگر بعد کے ادوار میں اُن کے نظریات نے **فلسفہ، فقہ اور منطق** پر گہرا اثر ڈالا۔ اندلس میں اُن کی فکر نے عقل و ایمان کے امتزاج کی ایک مضبوط روایت قائم کی۔

(ب) مغربی دنیا پر اثرات

یورپ میں ابنِ رشد کے نظریات نے **یونانی فلسفے کو ازسرِ نو زندہ** کیا۔ اُن کی لاطینی تراجم سے یورپ میں ***Averroism*** کی تحریک اٹھی جس نے:

- **یونیورسٹی آف پیرس، آکسفورڈ اور بولونیا** میں فلسفے کے نصاب کو متاثر کیا۔
- *"Rationalism"* اور *"Humanism"* کی فکری بنیادیں استوار کیں۔
- مغرب میں مذہب و عقل کی جدلیات *(Dialectics)* کے ارتقا میں بنیادی کردار ادا کیا۔

ان کی وفات کے کئی صدیوں بعد تک ان کی تصانیف مغربی جامعات میں فلسفے کی تعلیم کا لازمی حصہ رہیں۔

***11.* زندگی کے آخری ایام اور وفات**

ابنِ رشد کی علمی و فلسفیانہ جرات کو بعض مذہبی حلقوں نے ناپسند کیا۔ انہیں ***1195ء (591ھ)*** میں بعض سازشوں کے تحت جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ چند سال **مراکش *(Marrakesh)*** میں نظر بند رہے۔

1198ء (595ھ) میں اُن کی وفات ہوئی۔

بعد از وفات، اُن کا جسدِ خاکی قرطبہ منتقل کیا گیا۔ ان کے جنازے کے وقت ایک مشہور منظر بیان کیا جاتا ہے کہ اُن کے تابوت کے برابر وزن کی اُن کی کتابیں رکھی گئیں، گویا علم اُن کے ساتھ دفن ہو رہا تھا — یہ منظر اُن کے علمی مقام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

---

12. ابنِ رشد کا فکری میراث اور مقام

ابنِ رشد کی فکر اسلام میں **عقل و ایمان کی ہم آہنگی، علم و فلسفہ کی بقا،** اور **اجتہاد و تحقیق** کے فروغ کی علامت ہے۔

اُنہوں نے فلسفے کو مذہب کا حریف نہیں بلکہ حلیف ثابت کیا، اور یہ بتایا کہ قرآن انسان کو غور و فکر کا حکم دیتا ہے۔

وہ جدید اسلامی فلسفے کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں اور اُن کے نظریات آج

بھی **اسلامی عقلانیت، اجتہاد، علم الکلام، اور فلسفۂ اخلاق** کے مباحث میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

خلاصہ

ابنِ رشدؒ کا فلسفہ **عقل، وحی، اور انسان کی فکری آزادی** پر مبنی ہے۔ اُن کی زندگی اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ اسلام میں علم و عقل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ اگر مسلمان عقل و فکر کے ذریعے وحی کو سمجھیں تو علم، تمدن اور عدل کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے۔

ابنِ رشد کی علمی و فکری میراث آج بھی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ مذہب اور سائنس، ایمان اور فلسفہ، اور عقل و وحی ایک ہی حقیقت کی مختلف جہتیں ہیں — اور ان کا امتزاج ہی انسانیت کو فکری روشنی دے سکتا ہے۔